مذہبِ ملّا و جمادات و نباتات

اداریہ..... چودھری رحمت علی

کس دیس چلے گئے وہ علمائے کرام جن کے متعلق زبانِ رسالتمآب سے یوں نکلا تھا کہ ''العلماء ورثۃ الانبیاء''۔ آج کی دنیا میں تو خال خال ہی ایسے برگزیدہ اشخاص موجود ہیں جنہیں واقعی وراثتِ انبیاء کا حامل کہا جاسکتا ہے ورنہ یہ دنیا بھر گئی ہے ایسے نام کے علماء سے جو دیکھنے کو تو بڑے فرشتہ صورت لیکن پرلے درجے کے جہلاء۔ زبانوں پر سبحان اللہ' سبحان اللہ کا ورد لیکن دل خوفِ خدا سے یکسر عاری۔ قلم لکھتے قدرے لڑکھڑاتا ہے کہ سیاست دانوں نے اگر سیاست کی آڑ میں امت کا استحصال کیا تو ان مشروع چہرے والوں نے دین کی آڑ میں ڈٹ کر بے دینی کی۔ علمائے حق کی کاوشوں کا سو فیصد اعتراف' مشکل حالات میں دینِ حق کا پرچم بلند کرنے والوں کو سلام لیکن وہ ہیں کتنے؟ آٹے میں نمک کی حیثیت سے بھی کم۔ عرصہ ہوا بزعمِ خویش مولوی حضرات اپنے آپ کو جنت میں داخل کر چکے۔ زعماء ملت کے لئے یہ اکثر و بیشتر دردِ سر رہے۔ قائدِ اعظم ان سے نالاں تھے تو انہوں نے بھی انہیں کافرِ اعظم تک کا خطاب دے دیا۔ علامہ اقبالؒ کو اگر ''حرم رسوا ہوا پیرِ حرم کی کم نگاہی سے'' اور ''دیکھ مسجد میں شکستِ رشتہ تسبیح شیخ'' اور ''ہے یہی الٰہیات میں الجھا رہے'' جیسے کلمات کہنے پڑے تو انہوں نے بھی انہیں کفر کے فتویٰ سے نوازنے میں ذرہ بھر دیر نہ کی۔ علامہ مشرقیؒ نے تو ایک ضخیم کتاب ہی بعنوان ''مولوی کا غلط مذہب'' لکھ ماری۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے ایک جگہ پر ان ہی کے متعلق فرمایا تھا۔

قوم کیا چیز ہے؟ قوموں کی امامت کیا ہے؟
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

واقعات کی دنیا میں کسی مولوی صاحب سے امامت و خلافت کی بات کریں تو وہ بات کو یوں سنی اَن سنی کر دے گا جیسے کہ کوئی غیر اسلامی بات کر دی۔ وہ یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ خلافت کوئی پرانے زمانے کی بات ہے۔ آج کے دور میں اس ساز سینہ کے تاروں کو جنبش دینا بے وقت کی راگنی الاپنا ہے۔ اس کے خانے سے یہ بات نکل گئی کہ اسلام اور خلافت ہم معنی اصطلاحات ہیں لہٰذا جب وہ خلافت کو ایک قصۂ پارینہ قرار دیتا ہے تو دوسرے لفظوں میں وہ اسلام کو قصۂ پارینہ (Out of Date) قرار دے دیتا ہے۔ اسے کون بتائے کہ قرآن و سنت میں اسلام اپنی مکمل صورت میں اس دن سے موجود ہے جب لسانِ رسالت ﷺ سے یوں ادا ہوا کہ ''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے'' (المائدہ:5) لیکن یہ اسلام ہے ایک نظریے اور تھیوری کی شکل میں موجود۔ جب اس نظریے کو بطورِ ضابطۂ حیات اپنا لیا جائے اور بطورِ نظام کسی خطۂ زمین میں بالفعل نافذ کر دیا جائے تو یہی ''خلافت'' ہے۔ جیسا کہ کہا گیا اسلام آج بھی اپنی مکمل اور آخری شکل میں موجود ہے اور تا قیامت رہے گا۔ اگر دنیا میں اس وقت موجود نہیں ہے تو اس کی عملی صورت یعنی ''خلافت'' موجود نہیں ہے۔ جب اسلام جوں کا توں موجود ہے تو ''احیائے اسلام'' کے الفاظ تک استعمال کرنا شرعی طور پر درست ہے بلکہ مسلمانوں کے ذمہ سب دوسرے فرائض سے بڑھ کر فرض ہے اس لئے کہ اسلام کو محض قرآن و سنت تک محدود کر دینے سے' اس کی تاویلات کرتے رہنے سے اور اس کے گن گاتے رہنے سے نہ تو اس کی برکات و فیوض حقیقت کا روپ دھار سکتی ہیں اور نہ اقامتِ دین کا عظیم فریضہ ادا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ قرآن و سنت کی تعلیمات کا درس دے کر ہی اس دنیا سے تشریف نہ لے گئے۔ وہ اگر صرف ان تعلیمات کا درس ہی دے کر چلے جاتے تو کیا وہ فیوض و برکات دنیا والوں کے حصے میں آتیں جن کے اثرات تا قیامت رہیں گے۔؟ انہوں نے تو ایک عظیم جدوجہد کے ذریعہ قرآن و سنت کی تعلیمات کو عملی صورت دی۔ بڑی سختیاں جھیلنا پڑیں۔ مصیبتوں کی یلغار' پتھروں کی بوچھاڑ اور قتل کی سازشوں سے سابقہ پڑا تب کہیں جا کر اسلام نے خلافت کی شکل اختیار کی اور وہ دور آیا جسے ہم خلافتِ راشدہ کا دور کہتے ہیں۔ آج اگر ہم صرف اسلام کی تبلیغ ہی کرتے رہیں اور اسے عملی صورت دے کر خلافت کو بحال نہ کریں تو یہ وہی بات ہوئی جسے قرآن میں یوں بیان کیا گیا:

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو' اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں'' (الصف 61:2-3)

مولوی صاحب قبلہ سر کھجاتے کھجاتے اور مقتدیوں پر اپنے خطاب کا زور ڈالتے ہوئے دعا تو بظاہر بڑی گریہ وزاری سے کرتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ اسلام کا بول بالا

کر دے، روئے زمین پر نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا دور دورہ کر دے، اسلام کو فتح دے، اسلام کو سرخرو اور سربلند کر دے'' لیکن اس نے یہ سوچنے کی کبھی زحمت نہیں کی کہ صبح و شام یوں دعاؤں کی بھرمار کرنے کے باوجود کیا وجہ ہے کہ مسلمان وقت کے اس موڑ پر ذلت و رسوائی کی بدترین شکل سے دوچار ہیں؟ مسلمانوں کے آج احوال و معاملات پر ماسکو اور واشنگٹن حاوی ہیں تو کیوں؟ عملی طور پر اسلام کو نافذ کئے بغیر اور خلافت کو بحال کئے بغیر کیا محض دعاؤں سے اسلام کو غلبہ حاصل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ غزوات و سرایا کا سہارا کیوں لیتے؟ مکی زندگی کے ابتدائی دنوں میں حضرت خبابؓ نے ایک دفعہ خدمتِ رسالتمآب ﷺ میں حاضر ہو کر دعا کے لئے کہا لیکن دعا نہ کی گئی۔ دعا کی گئی تو میدانِ بدر میں اس وقت جب حق و باطل آمنے سامنے کھڑے تھے۔ ہماری دعاؤں کی صورت تو وہ ہو گئی جسے ہادیٔ برحق علیہ السلام نے یوں بیان فرمایا:۔

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری زندگی ہے (اے امتِ مسلمہ) تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک ایسے (خطرناک) عذاب میں مبتلا کر دے گا کہ اس سے نجات پانے کے لئے تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو گے۔ مگر وہ تمہاری دعاؤں کو قبول نہیں کرے گا'' (ترمذی)

حضرت مولوی کو تو یہ تک سمجھ نہیں آ رہی کہ نہ صرف ''نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا'' اسی وقت بطریقِ احسن ممکن ہے جب اسلامی نظام متمکن ہو بلکہ نظامِ صلوٰۃ اور نظامِ زکوٰۃ کا حقیقی روپ بھی اسی ایک صورت میں ممکن ہے۔ یہی آیا قرآن میں:

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے'' (الحج: 41)

سوال پیدا ہوتا ہے اسلام والوں کو کب اقتدار حاصل ہوتا ہے؟ ظاہر ہے جب اسلامی نظام یا نظامِ خلافت کسی خطۂ زمین میں بالفعل موجود ہو۔ لیکن اگر منبر و محراب سے کبھی خلیفہ و خلافت کو معرضِ وجود میں لانے کی بات ہی نہ ہو بلکہ انہیں قصۂ پارینہ سمجھ کر امت کو قرآن و سنت کی تاویلات میں ہی الجھایا جاتا رہے تو کیسے قائم ہو خلافت اور کیسے اسلام کی برکات و فیوض اس دھرتی کا مقدر بنیں؟

مولوی صاحبان کی ایک عظیم اکثریت تو یہ بھی باور کرنے کے لئے تیار نہیں کہ امتِ مسلمہ وقت کے اس موڑ پر مغلوب ہے۔ وہ تو اسی نشے میں سرشار ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے۔ وہ تو اپنے لئے جنت میں سینکڑوں میل ادھر کو اور ہزاروں میل ادھر کو باغات و محلات الاٹ کرا چکی ہے۔ مولوی کی بلا سے اگر اس دنیا میں کفار و مشرکین سپر طاقتوں کا روپ دھار گئے۔ واقعات کی دنیا میں یو۔این۔او میں مسلمان قراردادوں کو ''ویٹو بہادر'' دھجیاں بکھیرنے لگا۔ دنیا کی رذیل ترین قوم، یہود، مسلمان سرزمینوں پر دندنانے لگی، مسلمانوں کے ذرائع و وسائل غیر مسلموں کے ہتھے چڑھ گئے، ٹھاٹھیں مارتا ہوا تیل کا سمندر مسلمانوں کے ہاں لیکن اس سے اپنی رونقیں سجا گئے تو کفار و مشرکین، مسلمان تو بھوکا ننگا اغیار کے لقموں کا محتاج ہی رہا۔ بایں ہمہ مولوی مقتدیوں کو بشارتوں پر بشارتیں دیتا رہا جیسے کچھ بگڑا ہی نہیں۔ مولوی کو تو قرآن میں بھی اپنی صورت دیکھنے کی سعادت حاصل نہ ہوئی۔ قرآن میں آیا ''اگر تم مومن رہے تو غلبہ (اے مسلمانو) تمہارا ہوگا۔ (آل عمران: 139) دنیا میں اپنے آپ کو مغلوب ماننا تو مولوی صاحب کو یہ ادراک و شعور بھی حاصل ہوتا کہ بحیثیت مجموعی ہم مومن نہ رہے۔ مولوی کو تو قرآن میں یہ بھی نظر نہ آیا کہ ''اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل ہوئی تو تم پر (اے مسلمانو) کوئی غلبہ نہ پا سکے گا (آلِ عمران: 160) ظاہر ہے مغلوب مسلمان دنیا میں ہوا ہی تب جب نصرتِ ایزدی اس کے شاملِ حال نہ رہی لیکن کیا مجال نصرتِ ایزدی سے یوں محروم ہونے پر ہی مولوی صاحب کو کبھی جھرجھری آئی ہو۔ محض اس لیے کہ جب تک وہ منبر و محراب پر براجمان ہے اس کی بلا کو امت کسی کھڈے میں گرے یا کھائی میں:

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

ہمارے نزدیک مولوی صاحب کا ایک اور بڑا جرم یہ ہے کہ اس نے دین کو مذہب بنا دیا۔ اسلام جو بطورِ ضابطۂ حیات پوری زندگی پر محیط تھا (اور ہے) اسے محض نماز روزے تک محدود کر دیا۔ دین حق تو جوتی کا تسمہ باندھنے سے لے کر بین الاقوامی معاملات و معاہدات کی تفصیل دیتا ہے لیکن مولوی حضرات نے اسے محض نکاح طلاق اور کفن دفن کا گورکھ دھندا بنا کر رکھ دیا۔ مسلمانوں کو حکم تو یہ ملا تھا کہ ''اے نبی! کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا'' (آلِ عمران: 31) لیکن مولوی صاحب نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت نہ کی کہ رسول اللہ ﷺ محض نمازیں پڑھ کر اور روزے رکھ کر ہی تو اس دنیا سے تشریف نہ لے گئے تھے۔ دورِ نبوت کا زیادہ سے زیادہ 10 فیصد وقت نماز روزے میں صرف ہوا باقی کا وقت تو دعوتِ دین، اقامتِ دین اور غلبۂ دین کی عظیم انتھک جدوجہد میں لگایا گیا۔ دین کے تقریباً 90 فیصد حصے سے یوں صرف نظر کر کے اور امت کو محض نماز روزے تک محصور کر کے بھی مولوی صاحب کی تسلی نہ ہوئی۔ خلافت کو

قصۂ پارینہ سمجھ کر اقامتِ دین سے تو پہلے ہی جان چھڑا چکا تھا' دعوتِ دین کا بھی اس نے ایک انوکھا اور من پسند اسلوب ایجاد کر لیا۔ اسے یہ فکر نہ رہی کہ قرآن وسنت کا وہ بے بہا ذخیرہ جو مسلمانوں کی تحویل میں ہے اسے ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو غیر مسلم گھرانوں میں پیدا ہو گئے اس لئے کہ ایسا کرنا امتِ مسلمہ کا فرضِ منصبی ہے۔ قرآن میں آیا:

''اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک ''امتِ وسط'' بنایا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو'' (البقرہ:143)

مولوی کو اگر فکر لاحق ہوئی تو ساتھ والی مسجد والوں کے مسلک کو درست کرنے کی' حالانکہ ساتھ والی مسجد والوں کے پاس قرآن وسنت کا بذاتِ خود موجود ہونا حجت قائم کرنے کے لئے کافی تھا۔ مولوی صاحب کو ساتھ والی مسجدوں کے مسالک کو درست کرنے کی فکر کیوں لاحق ہوئی؟ صرف اس کی اس سوچی سمجھی تمنا کو پورا کرنے کے لیے کہ اس کی اپنی مسجد کی رونق بطورِ نظام برپا کرنے سے تو پہلے ہی اس نے صرف نظر کیا ہوا تھا۔ آجا کر نماز روزہ ہی ایک ایسا ہتھیار تھا جس سے مقصد برابری کرتا۔ لہٰذا نماز روزے کے فروعی مسائل کی یوں کھینچ تان کی کہ ان کی بنیاد پر مسالک اور فرقے وضع کر دیئے۔ مقتدیوں کی دلچسپی کا مرکز ومحور داڑھی کی پیمائش پائینچوں کو اوپر نیچے رکھنا' رفع یدین اور آمین بالجہر جیسے مسائل کو بنا دیا۔ دعوتِ دین' اقامت دین اور غلبۂ دین جیسی بڑی بڑی ذمہ داریوں کے نبھانے کی فکر نہ رہی تو چھوٹے ہتھیاروں پر آ کر اور مذکورہ فروعی مسائل کا سہارا لے کر دیوبندی' بریلوی' اہلِ حدیث وغیرہ جیسے بڑے بڑے فرقے معرضِ وجود میں لے آیا۔ اپنی دکان چمکانے کی خاطر جلسوں کا سہارا لیا' کانفرنسیں منعقد کیں' جلوس نکالے' کلغیاں سنوار کر اور بانہیں چڑھا کر طرح دار تقریریں کیں صرف یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے کہ دائم اگر کچھ رہے تو وہ مسلک اور وہ فرقہ جو مولوی صاحب کی فیکٹری میں تیار ہوا اور جس کی بنیاد صرف اتنی کہ جو مسلمان اہلِ حدیث گھرانوں میں پیدا ہوتے ہیں وہ بریلویت کا سہوا' اگر ان حضرات کی پیدائش اس سے الٹ ہو جاتی یعنی وہ جو بریلوی گھرانوں میں پیدا ہوئے ہیں اہلِ حدیث گھرانوں میں پیدا ہو جاتے اور جو اہل حدیث حضرات کے گھر پیدا ہو گئے ہیں بریلوی گھرانوں میں پیدا ہوتے تو ہر دو فرقوں کے افراد پوری عمر اب کے برعکس مسالک کے علمبردار ہوتے۔ یہی تو دینِ اباؤ اجداد کی پیروی ہے جسے قرآن شرک کی ایک بدترین شکل قرار دیتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی اکثریت ایسے ہی مشرکوں کے خلاف صف آراء رہی۔

ایک اللہ' ایک کتاب' ایک رسول اور ایک مرکز (کعبہ اللہ) کا مظہر دین تو اکائی تھا (اور ہے) لیکن مولوی صاحب نے بھرپور جانفشانی سے پہلے تو دین واحد کو مسالک اور ادیان کی شکل دی' اب بڑے انہماک سے ان کی آبیاری پر لگا ہوا ہے۔ بھول گیا کہ قرآن کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں نے بھی یہ غلطی کی تھی کہ اپنے آپ کو ''مسلم'' کی بجائے ''نصاریٰ'' کا نام دے دیا تھا۔ چنانچہ قرآن میں آیا ''اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو نصاریٰ کہا.....'' (المائدہ:14) بعینہ قرآن مسلمان کو تاکید کرتا رہا کہ ''تمہیں موت نہ آئے سوائے اس کے کہ تم ''مسلم'' ہو'' (آل عمران:102) لیکن محض ''مسلم'' ہو کر اور ''مسلم'' کہلوا کر مرنے سے مولوی کی تسلی نہ ہوئی۔ شخصیتوں' مسلکوں اور مدرسوں کی بناء پر ایجاد کردہ بریلوی' اہلِ حدیث' دیوبندی وغیرہ جیسے ناموں کو اختیار کر کے مسلمانوں کو مسلمانوں کے ہی خلاف صف آراء کر دیا۔ ان ناموں کی نہ اسے خبر جو وحی کا نازل کرنیوالا' نہ اسے سو بو جو وحی کو لے کر آیا اور نہ اسے پتہ جس پر وحی نازل کی گئی۔ آج اگر وحی آتی تو ضرور کہتی کہ ''وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو اہلِ حدیث' دیوبندی اور بریلوی کہا''۔ قرآن اعلان کرتا رہا ''اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا' آپس میں نہ جھگڑنا ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی (الانفال:46) لیکن مولوی کو امت کے کمزور ہو جانے اور دنیا میں مغلوب ومجبور ہونے سے کیا سروکار' اگر اس کی دکان چمکتی ہے تو سب خیراں۔

مولوی صاحب کی یہ سوچ بھی غلط فہمی پر مبنی کہ امت کے تہتر فرقے بننے ہیں جن میں سے ایک فرقہ جنتی ہوگا اور ایسا فرقہ وہی فرقہ ہے جس کے ساتھ کہ اس کا تعلق ہے۔ یوں رویہ اختیار کر کے قرآن میں بیان کردہ حقیقت کہ ''ہر فرقہ اپنے ہی ہاں کے فرقے سے خوش وخرم ہے'' (الروم:32) کی تصدیق تو مولوی صاحب نے کر دی بغیر غور کئے کہ قرآن وسنت میں جہاں جہاں بھی پسندیدہ گروہ کا ذکر کیا گیا ہے اس گروہ کو ''الجماعۃ'' یا ''امت'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے نہ کہ اہل حدیث' دیوبندی' یا بریلوی جیسے کسی نام سے۔ اسے سمجھنے کے لئے کسی سقراط کے دماغ کی ضرورت نہیں کہ انسانوں کا وہ گروہ جو صراطِ مستقیم پر گامزن ہے ''الجماعۃ'' یا امت ہے۔ جونہی اس صراطِ مستقیم سے ہٹ کر کوئی پگڈنڈی پر پڑ گیا اور اپنے آپ کو کسی مسلکی فرقے میں محصور کر لیا وہ الجماعۃ سے کٹ کر فرقہ واریت کا مرتکب ہوا۔ مسلمانوں کی کثیر تعداد آج بھی ایسی ہے جسے مسلکی فرقوں سے نفرت ہے۔ جو اپنے آپ کو محض اسلام کا پابند کرتے ہوئے صرف ''مسلم'' کہلواتی ہے۔ ایسے ہی لوگ ''الجماعۃ'' میں ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے دین کو اپنائے ہوئے ہیں۔ ہادیٔ برحق ﷺ کی متعدد احادیث ''الجماعۃ'' کو ہی پسندیدہ فرقہ قرار دیتی ہیں۔ چند ایک احادیث ملاحظہ ہوں:

''عوف بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہود کے اکہتر فرقے ہوئے ان میں سے ایک جنتی ہے اور ستر دوزخ میں جائیں گے۔ اور نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوئے ان میں سے اکہتر دوزخی ہیں اور ایک جنتی۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے میری امت میں تہتر فرقے ہو جائیں گے ان میں

ایک جنتی جبکہ بہتر دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔لوگوں نے عرض کی کہ وہ جنتی فرقہ کونسا ہے؟فرمایا ''الجماعۃ'' (ابن ماجہ)۔

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الجماعۃ پر اللہ کا ہاتھ ہے جو شخص اس سے علیحدہ ہوا وہ علیحدہ ہو کر دوزخ میں گیا'' (ترمذی)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو ''اطاعت سے نکلا اور ''الجماعت'' سے الگ ہوا۔پھر اسی حالت میں مر گیا تو اس کی موت جاہلیت پر ہوئی'' (مسلم)

''جو شخص ایک بالشت برابر بھی ''الجماعت'' سے نکلا اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اتار دیا'' (مسند احمد بن حنبل)

ان احادیثِ مبارکہ سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اللہ کے ہاں مسلمانوں کا وہی گروہ پسندیدہ ہے جو ''الجماعت'' سے چمٹا ہوا ہے۔اور جسے قرآن ''خیر امت'' اور ''امتِ وسط'' سے بھی یاد کرتا ہے۔باقی سب فرقے مولوی کے بنائے ہوئے ہیں اور قرآن وسنت کی رو سے ان کا کوئی جواز نہیں۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ ''خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں'' کے مصداق مولوی حضرات نے دعوتِ دین' اقامتِ دین اور غلبۂ دین کے 90 فیصد حصے سے مسلمانوں کو ہٹا کر جب محض نماز روزے تک محدود کر دیا تو اس 10 فیصد اپنائے ہوئے دین کی اہمیت کو سمجھنے میں بھی قاصر رہا۔نماز' روزہ' زکوٰۃ' اور حج وہ تربیت گاہیں ہیں جو آدمی کو جہاد کے لئے تیار کرتی ہیں' وہی جہاد جس کے ذریعہ ہی دعوتِ دین' اقامتِ دین اور غلبۂ دین کا کام ممکن ہے۔یہ چوبیس گھنٹوں میں پانچ دفعہ مؤذن کی صدا پر حاضر ہونا' ایک امام کی اقتداء میں رکوع وسجود کرنا' روزہ رکھ کر یہ بھوک پیاس کی عادت ڈالنا' قیام اللیل سے محنت ومشقت کا خوگر ہونا' سفرِ حج' یہ طواف' یہ سعی آخر جہاد کی تربیت نہیں تو اور کیا ہے؟ سوال پیدا ہوتا ہے جب مولوی صاحب نے دعوت واقامت وغلبۂ دین کا کام کرنا ہی نہیں تو جہاد کی تربیت کس لئے؟اس صورت میں نماز' روزہ بھی کیا اپنی افادیت کھو نہیں دیتے ؟

اسلام نے تو ان تربیت گاہوں کی اہمیت کے پیشِ نظر انہیں ارکانِ اسلام ہی قرار دے دیا۔لیکن مولوی صاحب نے جب امت کو محض ارکان ہی کا خوگر بنا دیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی عمارت کے چاروں ستون تو کسی حد تک کھڑے کر دیئے لیکن چھت کی کبھی نوبت نہ آنے دی۔''ادخلوفی السلم کافۃ'' والی جب بات نہ بنی تو امتِ مسلمہ تادیب وسزا کی اس زد میں آ گئی جسے قرآن یوں بیان کرتا ہے۔

''تو کیا تم کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور دوسرے حصے کا انکار کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں' ان کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں؟ اللہ ان حرکتوں سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو'' (البقرہ:85)

دینِ مبین کو محض نماز روزے تک محدود کرنے کا مطلب تو یہ ہوا کہ آدمی ساری عمر تربیت ہی لیتا رہے اور وہ کام جس کے لئے تربیت لی گئی اسے کرنے کی کبھی نوبت ہی نہ آئے۔پھر جب کام ہو ہی نہ تو اس کی برکات وفیوض کہاں سے آئیں؟ یہ تو ایسا ہی ہوا کہ ایک عمارت کو بنانے کے لئے معماروں کی ایک جماعت ایک عرصہ ہر روز حاضر ہو لیکن حاضر ہو کر محض ہتھیار ہی تیز کرتی رہے' عمارت بنانے کی کبھی نوبت ہی نہ آئے۔کیا ایسے میں تا قیامت بھی کوئی ایسا دن آئے گا جب عمارت میں رہائش اختیار کی جا سکے ؟

بات ادھوری رہے گی اگر مولوی حضرات کی ایک اور قسم کا ذکر نہ کیا جائے جو قدرے ترقی یافتہ ہے۔علماء کا یہ وہ طبقہ ہے جو دارالعلوم کھول کر بطورِ استاد یا مہتمم خدمات سرانجام دے رہا ہے۔بظاہر یہ طبقہ بہت بامقصد کام کرتا دکھائی دیتا ہے لیکن شومئی قسمت ذرا گہری نظر سے دیکھیں تو دال میں بہت کچھ کالا ہے۔استثنا اپنی جگہ پر لیکن اکثر وبیشتر دارالعلوم بھی کسی نہ کسی مسلک کے علمبردار ہیں اور کسی نہ کسی فرقہ کی آبیاری کر رہے ہیں۔جو بچے ان دارالعلوموں میں تربیت پاتے ہیں جب داخل ہوتے ہیں تو صاف سلیٹ کے ساتھ داخل ہوتے ہیں۔لیکن چند ہی ہفتوں میں ان کے مزاج منتشر ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور وہ اردگرد کے ماحول کو سونگھنا شروع کر دیتے ہیں۔وجہ واضح ہے کہ فروعی مسائل کے جراثیم آہستہ آہستہ ان میں سرایت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ایک ایک حدیث اور ایک ایک آیت تفسیر میں اور کچھ بیان کیا جائے یا نہ یہ ضرور بتایا جاتا ہے کہ فلاں فلاں مسلک والے اس حدیث اور اس آیت کو یوں الٹے معنی پہناتے ہیں۔چند ہی سالوں میں زیرِ تربیت طلبہ پختہ ذہن ہو جاتے ہیں کہ حق کہیں ہے تو ان کے اختیار کردہ مسلک میں باقی اردگرد مسالک والے پرلے درجے کے گمراہ بلکہ دین کے دشمن ہیں۔بھری ہوئی گن کی طرح یہ طلبہ جب یوں لیس ہو کر دارالعلوموں سے فارغ ہوتے ہیں تو میدان میں اترتے ہی دوسرے مسالک والوں کی خوب خبر لیتے ہیں۔وہ معصوم بچے جو ایک دن دین کی خدمت کا جذبہ لے کر داخل ہوئے تھے' تعلیم سے فارغ ہوتے ہی دین کی بیخ کنی کا موجب بنتے ہیں۔

پھر ان دارالعلوموں نے جو کورس اور سلیبس اختیار کر رکھا ہے' وہی ہے جو آج سے صدیاں پہلے دورِ ملوکیت یا دورِ غلامی میں وضع کیا گیا تھا۔دورِ حاضر کے تقاضوں سے

اسے کوئی سروکار نہیں۔ نتیجہ کے طور پر ان دارالعلوموں سے فارغ ہو کر نکلنے والے صرف ونحو کی گتھیوں سے تو خوب واقف ہوتے ہیں' جدید علوم سے بالکل بے بہرہ۔ پھر واقعات کی دنیا میں انہیں چونکہ امامت وخطابت کے مناصب پر فائز ہونا ہوتا ہے لہٰذا جدید ذہن کو متاثر کرنا تو دور کی بات' اس کے لئے الٹا ایک طرف تماشہ بن جاتے ہیں۔ یہی وہ مشکل ہے جو بالآخر انہیں سیکولر طبقات کا ضمیمہ بن کر رہنے پر مجبور کرتی ہے اور وہ بیچارے اسی حیثیت میں یعنی دنیا میں ایک ثانوی کردار ادا کر کے چل بستے ہیں۔

سوختہ بختی کی حد تو یہ ہے کہ کئی مہتمم حضرات مروجہ سلیبس اور کورس کو ایک امتیاز گردانے ہوئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک ڈاکٹر انجینئر' ماہر حیوانات' ماہر زراعت وغیرہ بھی جب اپنے ایک فن کے ماہر ہوتے ہیں تو کیا ہوا اگر دین کی تعلیم حاصل کرنے والے بھی محض دین میں مہارت حاصل کریں۔ شاید بیچاروں کو یہ خبر تک نہیں کہ ایک انجینئر ماہر زراعت وغیرہ کو اپنے مخصوص مضامین کے علاوہ کوئی درجن بھر ایسے علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں جن کا براہِ راست ان کے فن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ کاش یہ دارالعلوم محض ایک آنکھ والے لوگ پیدا کرنے کی بجائے دو آنکھ والے پیدا کریں۔

اب تک جو کچھ لکھا گیا' تصویر کا محض ایک رخ ہے' تصویر کا دوسرا رخ اس سے بھی زیادہ بھیانک و دردانگیز ہے۔ مولوی حضرات کی جو خستہ و بدحال صورت ہم نے اوپر پیش کی اس میں اس کا اپنا قصور اتنا ضرور ہے کہ وہ اس صورتِ حال سے مکمل سمجھوتہ کر چکا اور اسے بدلنے کی کوئی معمولی رمق اس میں نہیں پائی جاتی تاہم واقعات کی دنیا میں وہ کافی حد تک بے قصور ہے' اس لئے کہ حالات کے بے رحم دھارے نے اسے اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے جس پر کہ وہ اس وقت ہے۔

(He is victim of the system) بات بگڑنا شروع ہوئی تو آج سے تقریباً پونے چودہ سو سال پہلے اس وقت جب ربِ کعبہ کی اس دھرتی سے خلافتِ راشدہ کے سنہری دور کی بساط لپیٹ دی گئی اور اس کی جگہ ملوکیت نے ڈیرے آ جمائے۔ یہ مہیب تبدیلی اس طور پر وارد ہوئی کہ شروع میں اسے اتنا بھیانک تصور ہی نہ کیا گیا۔ البتہ چند سالوں بعد امت میں ارتعاش پیدا ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے نواسۂ رسولؐ اور اسکے ساتھیوں کو اس تبدیلی کے آگے بند باندھتے جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔ بعدہٗ متواتر کئی صدیوں تک بڑی بڑی ہستیاں' اکابرین' محدثین' محققین اور فقہاء اس تبدیلی کو روکنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان گنت کو کوڑے کھانے پڑے' جیلوں میں بند کر دیا گیا۔ دار و رسن سے واسطہ پڑا غرضیکہ مصائب کا ایک پہاڑ تھا کہ ٹوٹ پڑا۔ اللہ کے بندوں نے قربانیاں دینے میں بھی حد کر دی لیکن بگڑی مزید بگڑتی ہی چلی گئی۔ ایک تو اس لئے کہ حکمرانوں کا آخر کیسے مقابلہ کیا جا سکتا تھا اور دوسرے اس لئے کہ ایک وقت کا لگایا ہوا شجر جیسے ایک لمبا عرصہ پھل دیتا رہتا ہے' دورِ خلافتِ راشدہ کی برکات مدت تک دورِ ملوکیت میں بھی ظہور پذیر ہوتی رہیں۔ فتوحات تک کا سلسلہ جاری رہا' روئے زمین کے ایک عظیم حصہ پر مسلمانوں کے غلبے کا غلغلہ رہا۔ خوشحالی و فارغ البالی' امن و آشتی اور فلاح و بہبود کا دور ایک عرصہ تک اسلامی دنیا کا مقدر رہا۔ تاہم دیمک جو لگ چکی تھی اندر ہی اندر نظامِ وقت کو کھوکھلا کرتی رہی حتیٰ کہ وہ وقت آ وارد ہوا کہ پوری امت کفار و مشرکین کے نرغے میں آ کر غلامی کی زنجیروں میں جکڑی گئی۔ دورِ ملوکیت میں دوسری زوال پذیریوں کے ساتھ ساتھ جو سب سے زیادہ مہلک حادثہ ہوا وہ یہ کہ سیاست کو مذہب سے جدا کر دیا گیا۔ نبوت کی بات تو علیحدہ رہی' زیرِ آسمان اگر وحدت و یکجہتی کا عظیم ترین اور مکمل ترین نمونہ کبھی دیکھا گیا تو صرف نظامِ خلافت میں۔ خلیفۂ وقت سربراہ مملکت و حکومت بھی ہوتا ہے تو دارالخلافت کی مرکزی مسجد کا خطیب و امام بھی۔ وہی اسلامی عساکر کا کمانڈر ان چیف بھی ہوتا ہے تو اسلامی دنیا کا قاضی القضاۃ بھی۔ ملوکیت میں بتدریج یہ چاروں مناصب نہ صرف علیحدہ علیحدہ کر دیئے گئے بلکہ حکومتِ وقت مذہبی اداروں سے آہستہ آہستہ لاتعلق ہوتی چلی گئی۔ یوں دین و سیاست علیحدہ ہونے سے ایک تو چنگیزی کو دراندازی کا سنہری موقع مل گیا۔ دوسرے دین بیچارا پرائیوٹ اداروں کی سرپرستی میں آ گیا۔ خلافت ہوتی تو محلّہ کی مسجد کا امام خلیفۂ وقت کا نمائندہ ہوتے ہوئے محلّہ کے انتظامی امور کا بھی سربراہ ہوتا۔ مقامی بہبود و فلاح کا وہی ذمے دار ہوتا' مقدمات و تنازعات کے فیصلے زیادہ تر اسی سے ہوتے۔ مقامی ہونے کے ناطہ سے چونکہ وہ علاقے کی ہر زیر و زبر سے واقف ہوتا لہٰذا چوری چکاری' ملاوٹ' تجاوزات وغیرہ جیسے جرائم عنقا ہوتے۔ کوئی کسی کے سکون کو برباد نہ کر سکتا۔ عریانی' فحاشی' گانوں کا شور' جھوٹ' دغا' فریب' استحصال جیسی لعنتیں نام کو نہ ہوتیں۔ پھر ہر ایرا غیرا منبر و محراب پر نہ آ دھمکتا۔ خلافت کا ایک انتہائی اہم عہدے دار ہوتے ہوئے امام مسجد علاقے کا معزز و مدبر اور اعلیٰ صلاحیت و استعداد کا حامل شخص ہوتا۔ وہ کسی چودھری اور شیخ کی روٹیوں کا محتاج نہ ہوتا۔ اسے صبح اٹھ کر لاؤڈ سپیکر پر چند ٹکے نہ اکٹھے کرنے پڑتے۔ وہ اسی طرح کسی یونیورسٹی کا مستند سکالر ہوتا جس طرح کہ ڈاکٹر اور انجینئر۔ ایچی سن کالجوں' عام کالجوں اور دینی مدارس کا یہ سہ رخی تعلیمی نظام نہ ہوتا۔ جو یونیورسٹیاں انجینئر اور ڈاکٹر پیدا کرتیں وہی علماء کرام اور عدالتوں کے قاضی پیدا کرتیں۔ ارکانِ پارلیمنٹ اگر عالمی امور پر حاوی ہوتے تو وہی قرآن و سنت پر بھی عبور رکھتے۔ کسی اسلامی نظریاتی کونسل کی علیحدہ ضرورت نہ پڑتی۔ یہ شرعی عدالتوں اور غیر شرعی عدالتوں کا وجود علیحدہ علیحدہ نہ ہوتا۔

آج بھی امام مسجد کی مذکورہ اعلیٰ و ارفع حیثیت لوٹ سکتی ہے' مولوی صاحب کو عزت و وقار کا وہ عظیم منصب پھر حاصل ہو سکتا ہے' مہتمم حضرات کو چندے کی اپیلوں

سے نجات مل سکتی ہے بشرطیکہ گاڑی کو پھر اسی جگہ سے پٹڑی پر ڈالا جائے جہاں سے کہ پٹڑی سے اتری تھی۔خلیفہ وخلافت کے نظام کو پھر سے بحال کیا جائے۔تمام موجودہ اسلامی ممالک کو باہم ملاکر اور صوبوں کی شکل دے کر عظیم تر اسلامی مملکت ''دارالسلام'' کو معرضِ وجود میں لایا جائے۔ایک گھر کا نظام تباہ ہوجاتا ہے جب گھر کا ہر فرد چودھری بن جائے تو اتنی بڑی اسلامی دنیا کا تقریباً چار پانچ درجن سربراہ ہونے سے نظام کیوں کر درست رہتا؟ قرآن وسنت کا یہ خواہ مخواہ مطالبہ نہیں کہ پوری اسلامی دنیا کی باگ ڈور ایک ہاتھ میں ہو۔گھر میں اگر ایک قوام کا ہونا لازمی ہے تو امت کی بھلائی وخیر خواہی اسی میں مضمر ہے کہ موجودہ درجنوں سربراہان سے اقتدار چھین کر ایک خلیفہ کے ہاتھ میں دیا جائے۔امت کے ذرائع ووسائل یوں ایک ہاتھ میں مجتمع ہوں گے تو مسلمانوں کے پائے کی کوئی دوسری طاقت دنیا میں نہ رہے گی۔خون مسلمہ کی ارزانی کا دور ختم ہوجائے گا،عصمتیں محفوظ ہوجائیں گی۔عدل وقسط کا نظام عود کر آئے گا۔خلافت راشدہ کی طرح کا نظام اس دھرتی کا مقدر بن جائے گا تو اس دور کی برکات سے ہر ذی روح مستفید ہوگا۔

بحالیٔ خلافت کا کام مشکل سہی،ناممکن نہیں۔حاملین منبر ومحراب ٹھان لیں تو شبانی سے کلیمی دو قدم ہے۔انشاءاللہ

مغربی تہذیب وثقافت کی حقیقت اور معاشرے پر اس کے سنگین اثرات

.....مولانا احمد عبیداللہ یاسر قاسمی

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدائے آفرینش سے ہی حق وباطل کی معرکہ آرائی جاری ہے،ہر دور میں معاندین اور ہر زمانے میں مخالفین نے شرانگیزی پھیلائی ہے،ہر قوم وملت میں ایسے ناعاقبت اندیش افراد نے جنم لیا ہے جنہیں اشاعتِ حق اور غلبہ خیر سے پیدائشی دشمنی رہی ہے لیکن موجودہ دور کے جو فتنے سر ابھار رہے ہیں وہ ایک خطرناک ترین سازش اور تعصب پر مبنی اسلام دشمنی اور اہلِ اسلام سے ازلی عداوت ونفرت کا شاخسانہ ہے۔شاید یہی وہ دینی،فکری اور عملی ارتداد ہے جو سب سے پہلے انسان کے ظاہری طبیعت پر اثر انداز ہوکر اس کے باطن سے ایمان کی حقیقی لذت چھین لیتا ہے بقول مفکر اسلام ابوالحسن علی میاں ندویؒ یہ ایک ایسا ارتداد ہے جس کیلئے کوئی ابوبکر نہیں ہے،شاید اس جملے پر کسی شخص کو اعتراض ہو لیکن راقم الحروف صد فی صد متفق ہے۔کیونکہ ہمیں اس کا اندازہ ہی نہیں کہ ہم صریح فکری،تہذیبی وثقافتی ارتداد میں جھونک دیئے گئے ہیں جہاں سے واپسی کی راہ کافی دور ہوچکی ہے اور ہر کوئی اس سے بے اعتنائی کا شکار ہے اگر ہم اس پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہماری صبح وشام میں مغربی تہذیب وثقافت کے آثار ہیں۔بلکہ دنیا میں پائے جانے والے تمام مذاہب میں مغربی الحاد اور بے دینی کی لہر ہے،حتیٰ کہ مذاہب کا اثر لوگوں میں صرف ناموں تک رہ گیا ہے باقی سب رسومات وعبادات،اخلاقیات ومعاشرت اسی تہذیب مغرب کی نذر ہوکر تباہ وبرباد ہوگئے ہیں۔ہمارے معاشرہ کا سرمایہ دار طبقہ مغربی تہذیب وثقافت کا دلدادہ بن چکا ہے۔ہمارا موجودہ تعلیم نظام بھی اسی طبقہ کے ہاتھ میں جس کی وجہ سے کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکلنے والے طلباء کی اکثریت مغربی (فرنگی) تہذیب وثقافت کی دلدادہ بن رہی ہے،یہ سلسلہ مسلسل تیزی کے ساتھ جاری ہے اگر اس ارتداد کی طرف فوراً توجہ نہ دی جائے اور اگر اسے یونہی جاری رہنے دیا جائے تو بہت جلد اکثریت کا اسلام سے جذباتی لگاؤ بھی ختم ہونے لگے گا۔

مغربی تہذیب کا تعارف

مغربی تہذیب کسی خاص مذہب کا نام نہیں جو الہامی یا خدائی تعلیمات پر عمل کرنے کا مدعی ہو بلکہ تہذیب مغرب یا مغربی فکر وفلسفہ ایک ایسی سوچ وفکر کا نام ہے جو ہر کسی کو اپنے اپنے مذہب پر پرائیوٹ زندگی میں عمل کرنے کی اجازت ضرور دیتی ہے۔لیکن خاص طرزِ فکر عقائد اور وحی پر مبنی تعلیمات کو قبول نہیں کرتی۔اس لیے کہ مغربی نقطۂ نظر میں سب سے اہم چیز خود انسان ہے۔دنیا میں عیش وعشرت،فرحت ولذت اس کا حق ہے،اپنے عمل کا کسی دوسرے کے سامنے جوابدہ نہیں تو وہی مادیت،زر پرستی اور مال ومنال سے بے انتہا محبت اس کا بنیادی وصف ہے۔

مغربی تہذیب کی بنیاد

اہلِ مغرب کی تہذیب وثقافت کا دارومدار تین چیزوں پر ہے:

1- آزادی 2- مساوات 3- ترقی

اگر ان تینوں چیزوں میں اضافہ ہو رہا ہو تو اس کو فروغ دیا جاتا ہے۔ بلکہ اس پر زور دیا جاتا ہے اور اگر کوئی فرد یا گروہ کسی رکاوٹ کے ذریعے اس راہ میں حائل ہو جائے تو اس کو قانوناً یا جبراً ختم کر دیا جاتا ہے اور ان ہی تین اشیاء کو مدِ نظر رکھ کر اہلِ مغرب نے ایک عالمگیر قانون ''انسانی حقوق کا عالمی منشور'' کے نام سے مرتب کر کے ہر ملک کو اس کا پابند بنایا جائے جس کی پاسداری تمام ممالک کی ذمہ ضروری ہے۔ (بحوالہ: تعارف تہذیب مغرب اور فلسفہ جدید)

اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب میں بنیادی فرق

(1)۔ اسلام میں اعلیٰ اتھارٹی اللہ جل شانہ کو مانا گیا ہے۔ کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے؟ کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے؟ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوگا' انسان خود کسی چیز کو حرام یا حلال قرار دینے میں آزاد نہیں ہے۔ زنا حرام ہے یا حلال؟ سود لینا اور دینا حلال ہے یا حرام؟ اس کا تعین صرف اللہ جل شانہ کریں گے۔ جبکہ اہلِ مغرب اعلیٰ اتھارٹی انسان کو سونپ دیتے ہیں کہ ہر چیز کا اختیار انسان کے ہاتھوں میں ہے۔ وہ جسے درست کہہ دے وہ درست اور جسے غلط کہہ دے وہ غلط۔ صحت وسقم کا دارومدار انسان کی عقل پر ہے اور وہ ہر طرح سے آزاد ہے جیسے زنا کرنا درست ہے یا غلط؟ لواطت انسانی حق ہے یا قبیح ترین عمل؟ سود لینا جائز ہے یا حرام؟ اس کا فیصلہ انسانی عقل کرے گی۔

(2)۔ اسلامی کی رہنمائی شریعت محمدی کے ذریعے ہے جبکہ مغربی فکر وفلسفہ میں رہنمائی حاصل کرنے کیلئے نہ ہی رسولوں کی ضرورت ہے نہ ہی کسی آسمانی کتاب کی بلکہ انسان عقل کے سوا کسی کا تابعدار نہیں۔

(3)۔ اسلام میں قانون شریعت سے اخذ کیا جائے گا جبکہ مغربی نظریات اور ان کی تہذیب وتمدن کے مطابق قانون انسانوں کا منتخب کردہ گروہ (پارلیمنٹ) بنائے گا۔

(4)۔ اسلامی تہذیب میں اللہ کا تصور یہ ہے کہ اللہ ایک ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور مسلمان اسی ایک خالق ومالک کے ماننے والے ہیں۔ جس نے انسانوں اور سارے جہانوں کو پیدا کیا ہے جبکہ اس کے برعکس مغربی تہذیب نے اللہ اور مذہب کا انکار کے بعد مادہ کو اپنا الہ تسلیم کیا ہے۔ اس کے نزدیک مادہ ہمیشہ سے ہے' ہمیشہ رہے گا اور وہ اپنے شعور کی بنیاد پر اشیاء کی تخلیق کرتا ہے۔

(5)۔ اسلامی تہذیب میں علم کا تفوق وحی ہے۔ چنانچہ وحی کے مقابلے میں انسان کا تخلیق کردہ کوئی بھی علم فقویت نہیں رکھتا۔ جبکہ مغربی تہذیب میں تفوق عقل کو حاصل ہے۔ اسی وجہ سے جنت اور جہنم کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ بعث بعد الموت کو جھٹلاتے ہیں۔ سزا وجزا اور ان جیسے دیگر عقائد کے صریح انکاری ہیں اور یہی وجہ ہے اہل مغرب کسی مذہب کے قائل نہیں ہیں اس لیے کہ مذہب کو عقلیات اور سائنس سے ثابت نہیں کیا جا سکتا' بلکہ ایمانیات وعقائد کا باب تو صرف وحی کے علم کے ذریعے سے ہی سمجھ آ سکتا ہے۔

(6)۔ اسلام میں عبادات کا مقصد اور انسان کی تگ ودو کا حاصل مسلمانوں کیلئے آخرت میں کامیابی اور جنت کا حصول ہے جبکہ مغربی تہذیب کامیابی صرف مادی ترقی کو مانتی ہے۔ جس نے دنیا میں جتنی زیادہ مادی ترقی کی وہی کامیاب ترین انسان ہے۔ اور یہ تصور اس قدر عام ہو چکا ہے کہ آج عوام تو کجا خواص بھی مالداری اور دنیوی ترقی کو کامیابی سمجھ بیٹھے ہیں۔

(7)۔ انسانی تہذیب میں انسان کو زمین پر اللہ کا خلیفہ اور اس کا نائب مانا گیا ہے۔ خلاصۂ کائنات' اشرف المخلوقات' حتیٰ کہ ایک مومن مسلمان کی حرمت کو کعبہ کی حرمت سے زیادہ بتایا گیا ہے اس کے بالمقابل مغربی تہذیب نے انسان کو حیوان سے زیادہ کبھی تسلیم نہیں ہے۔ مغربی تہذیب کے مطابق علم سیاسیات میں انسان ایک سیاسی حیوان ہے' علمِ معاشیات میں ایک معاشی حیوان ہے' علمِ نفسیات میں انسان مخصوص جبلتوں کے مجموعہ کا نام ہے' علم حیاتیات میں انسان محض ایک حیاتی وجود ہے' اس تہذیب

نے انسان کو مادیت سے آگے پہنچایا ہی نہیں اسی نقطہ نظر کی خرابی نے پوری انسانیت کو مادیت پرستی کی آگ میں جھونک دیا ہے۔

یہ وہ بنیادی فرق ہیں جن سے اسلامی اور مغربی تہذیب وثقافت کو پرکھا جاسکتا ہے اور اس کے نقصانات سے بچایا جاسکتا ہے لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ ہم تہذیب و ثقافت کی اصطلاح بہت سطحی معنی میں استعمال کرتے ہیں' مغربی تہذیب کا مطلب صرف اتنا ہی سمجھتے ہیں کہ پینٹ شرٹ پہنا جائے' ٹائی لگائی جائے' کلین شیو ہو تو یہ مغربی تہذیب کا دلدادہ ہے' یا صرف فحاشی وعریانی کے سیلاب کو مغربی تہذیب سمجھتے ہیں۔ جب کہ بات ایسی نہیں ہے۔ بلاشبہ تہذیب کو لباس' وضع قطع' تراش خراش کو لے کر بھی پرکھا جاسکتا ہے لیکن تہذیب کی جو سطح ہے وہ لباس اور وضع قطع ہی نہیں بلکہ اس کی بنیادیں اور نظریات ہیں جن کو سمجھ کر ہی اس تہذیب کا مقابلہ ممکن ہے۔

فسادِ قلب ونظر ہے فرنگ کی تہذیب

مغرب نے الحاد' بے دینی اور لامذہبیت کو فروغ دینے کیلئے اور اسلام دشمنی اور مسلم تعصب کے ہدف کو دنیا میں عام کرنے کیلئے خطرناک ہتھکنڈوں کو استعمال کیا:

(1)۔ انہوں نے سب سے مؤثر طریقہ دولت کی لالچ اور جاب کی آفر دے کر جگہ جگہ عیسائی مشنری اسکولز کا قیام عمل میں لایا۔ جن میں اہلِ مغرب نے ایسا نصاب مرتب کیا کہ طالب علم دین سے متنفر ہو جائے اور بے دینی کو ترجیح دے جہاں کے ماڈرن تعلیم یافتہ فضلاء مذہب کی تاریخی توجیہ کر کے یہ بتاتے ہیں کہ پہلے مذہب نہیں' مذہب بعد کی پیداوار ہے اور آخرت کوئی چیز نہیں' اصل دنیا ہے اور مذہب ایک نجی مسئلہ ہے۔ اس پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت نہیں اور اہلِ مغرب کو مہذب اور مسلمانوں کو غیر مہذب ثابت کرتے ہیں۔ پھر بتدریج اسلامی نظریات کو مغربی نظریات کے تابع کر کے پیش کرنا شروع کرتے ہیں۔ وحی کا انکار اور عقل اور تجربہ کو حق وصداقت کیلئے معیار قرار دیتے ہیں اور پھر طلبہ کے دماغ میں یہ بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ دین دنیا کی ترقی کیلئے مانع ہے۔ علماء اور دین پر عمل کرنے والے سب حقیر لوگ ہیں اور تصور یہ پیش کرتے ہیں کہ اسلام عصر حاضر کے مطابق نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ترقی کا پورا دارومدار سائنس اور ٹیکنالوجی پر ہے۔

اور یہ اہل کلیسا کا نظامِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دن و مروت کے خلاف
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیوان ہے یہ ظلمات
یہ علم' یہ حکمت' یہ تدبر' یہ حکومت
پیتے ہیں لہو' دیتے ہیں تعلیم مساوات

(2)۔ دوسرا طریقہ انہوں نے یہ اپنایا کہ غرباء میں رفاہی مالی امداد کی جائے اور انکو اپنے مذہب سے دور کر کے مرتد بنایا جائے۔ تعلیمی پسماندگی اور غربت ومفلسی میں مجبور افراد بکثرت اسکے شکار ہوئے ہیں۔

(3)۔ تیسرا طریقہ انہوں نے یہ اپنایا کہ ذہین مسلم طلبہ کو اعلیٰ تعلیم کیلئے مغربی ممالک میں موجود کالجوں' یونیورسٹیوں آکسفورڈ' کیمبرج وغیرہ میں بھیجا جائے ان کی ذہن سازی کی جائے۔ یہ بتایا جائے کہ سود ترقی کیلئے لازم وضروری ہے۔ سنتیں تو نعوذ باللہ صرف قدیم عربی رسم ورواج ہیں' نماز کیلئے وقت نکالنا العیاذ باللہ تضیع اوقات کے مترادف ہے۔ زکوٰۃ اور ٹیکس تو ایک ہے' قربانی' حج اور عمرہ میں خرچ کی جانے والی رقم بے جا مصرف میں خرچ کرنا ہے۔ اس کی بجائے غریب' بیوہ کو رقم دینا زیادہ بہتر ہے۔ سیاست اور دین میں کوئی تعلق نہیں' فیشن وقت کا تقاضہ ہے۔ اب تم آزاد ہو اور عورت چاہے پردہ کرے یا نہ کرے' ایسا لباس پہنے جس سے بدن کی ساخت ظاہر ہو تو کوئی آپ کو روک ٹوک نہیں سکتا۔ ہاں! یہ تمہارا کلچر ہے کہ تم ویلنٹائن ڈے' برتھ ڈے مناؤ یعنی کہ عیش وعشرت کا عادی بنایا جائے۔ پھر جب ان کے دماغ پر مکمل طور سے قبضہ ہو جائے تو مال وزر کے ذریعہ ملک کی سربراہی حاصل کر کے ان کو سونپی جاتی ہے اور انہیں اپنا آلۂ کار بنا کر اسلام اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ان سے کام لیا جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کیا ہی خوب کہا تھا:

ظاہر میں تجارت ہے' حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کیلئے مرگِ مفاجات

رعنائی تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات

اور مغربی تہذیب کو فروغ دینے میں سب سے زیادہ معاون میڈیا بنا جس کے ذریعے فحاشی، عریانی اور بے دینی کو عام کیا گیا۔ ایسی ایسی فلمیں بنائیں جن میں دین داروں کا مذاق اڑایا گیا۔ موسیقی اور رقص وسرور کو روح کی غذا بتایا گیا جس نے تخریب اخلاق و بے دینی کے عام کرنے میں سب سے بڑا رول ادا کیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کیا ہی خوب کہا:

بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات

امید کی کرن

خلاصہ کلام یہ کہ تعلیم کے نام پر بے دینی، تہذیب کے نام پر بے حیائی اور میڈیا کے نام پر عریانیت پھیلائی جارہی ہے اور ہماری صبح وشام اس میں گذر رہی ہے۔ ابھی بھی وقت ہے مسلمان بیدار ہو جائیں اور جان لیں کہ اصل آخرت ہے دنیا نہیں۔ اصل رضائے الٰہی ہے منصب نہیں۔ اصل دین ہے دنیا نہیں۔ اب بھی امید کی کرن باقی ہے بقول علامہ علی میاں ندوی اس عالمگیر صورتحال کی تبدیلی کیلئے امت مسلمہ کے موجودہ تباہ کن حالات میں انقلاب عظیم پیدا کرنے کیلئے دین کے داعیوں کو مغربی تعلیم یافتہ طبقہ پر اپنی توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے کہ اسی طبقہ کی بے راہ روی نے پوری امتِ مسلمہ کے عوام کو ذہنی ارتداد کے خطرے میں مبتلا کر دیا ہے۔ اسلامی ممالک کا رخ خالص اسلامیت کی بجائے خالص مغربیت کی طرف موڑ دیا ہے اور عوام کو بے زبان گلہ اور جانور کے ریوڑ کی طرح غیر اسلامی قیادت کے ہاتھ میں دے دیا ہے اور ان کی اصلاح سے دوبارہ ان ممالک کا رخ مغربیت سے اسلامیت (نظامِ خلافتِ راشدہ) کی طرف موڑا جاسکتا ہے۔

اگر اس بے دینی وارتداد کی لہر سے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو بچانا چاہتے ہیں تو خدارا اہلِ مغرب کی ان سازشوں کو سمجھیں اور ان راستوں سے اجتناب کریں جس کی منزل مغرب کی دمکتی ہوئی اندھیری دنیا ہے جو نا قابلِ تلافی خطرات کا پیش خیمہ ہے۔

دل کیلئے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

اللہ پاک ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے۔ آمین!

دنیا کی ضرورت خلفائے راشدین والا اسلام ہے!

..... مولانا زاہد الرشدی

برطانیہ کے ولی عہد شہزادہ چارلس نے کچھ عرصہ قبل ایک تقریب میں اپنے دانشوروں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ:

''اسلام کا مطالعہ کریں اور بطور نظام زندگی اور متبادل سسٹم اسے اسٹڈی کریں، لیکن اسلام کا مطالعہ کرتے ہوئے دو باتوں کی طرف مت دیکھیں، ایک یہ کہ ہمارے بڑوں نے اسلام کے بارے میں کیا کچھ کہا ہے، دوسرا یہ کہ اس وقت مسلمان کیسے نظر آرہے ہیں؟''

برطانیہ ہی کے ایک ممبر پارلیمنٹ جم مارشل نے چند سال پہلے لیسٹر میں ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ: ''جس اسلام سے ہمارے بڑوں نے

متعارف کرایا وہ اور ہے، جو اسلام ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں وہ اور ہے، جبکہ دنیا میں اس وقت موجودہ مسلمانوں کی زندگیوں میں جو اسلام نظر آتا ہے وہ ان دونوں سے مختلف ہے۔"

اصل بات یہ ہے کہ آج اسلام دنیا کی ضرورت بن گیا ہے اور مروجہ سیاسی، معاشی اور معاشرتی سسٹم کی ناکامی کے بعد اب آسمانی تعلیمات اور وحی الٰہی کی طرف رجوع کیے بغیر نسل انسانی کے پاس کوئی چارہ کار نہیں رہا، جبکہ آسمانی تعلیمات اور وحی الٰہی اگر محفوظ حالت میں کسی مذہب کے پاس موجود ہیں تو وہ صرف اسلام ہے، لیکن کنفیوژن اس بات نے پیدا کر رکھا ہے کہ کتابوں میں جو اسلام ملتا ہے، اس کا موجودہ مسلمانوں کی زندگیوں اور معاملات سے کوئی تعلق دکھائی نہیں دیتا۔ دنیا کو ضرورت در اصل کتابوں والے اسلام کی ہے، ہماری زندگیوں والے اسلام کی نہیں، کیونکہ ہمارا یہ برائے نام اسلام تو ہمیں مشکلات و مسائل میں سہارا نہیں دے رہا، دنیائے انسانیت کے مسائل کیا حل کرے گا؟

برصغیر کی تحریک آزادی کے عظیم راہنما عبید اللہ سندھیؒ جب ماسکو گئے اور کمیونسٹ لیڈروں سے اسلام کے فلسفۂ حیات اور نظام زندگی پر بات کی تو ان سے سوال کیا گیا کہ کیا یہ فلسفہ اور سسٹم دنیا میں کسی جگہ عملاً رائج بھی ہے؟ مولانا سندھیؒ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا اور یہی بات اسلام کے فروغ اور دنیا میں اس کے دوبارہ غلبہ کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔

اسلام نام ہے سادگی، قناعت اور جفاکشی کا اور یہ صرف تصوف کے موضوعات نہیں بلکہ سیاست کے بنیادی ستون بھی ہیں۔ سادگی، قناعت اور جفاکشی کروڑوں روپے کی لاگت سے بنے ہوئے ایوانوں میں لاکھوں روپے کے خرچ سے اجتماعات کر کے ان عنوانات پر دلکش تقریریں کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ ان اصولوں کو ذاتی اور اجتماعی زندگی میں عملاً نافذ کرنے کا نام ہے، جس کا بہترین نمونہ خلفائے راشدینؓ، حضرت عمر بن عبد العزیز یا ان کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی، سلطان شمس الدین التمش، سلطان محی الدین اورنگزیب عالمگیر اور سلطان ٹیپو رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے نیک دل حکمران ہیں، اور سیاست و حکومت کا یہی انداز ہے جس کی آج کی دنیا کو ضرورت ہے۔

آج کے دانشور کتابوں میں اس طرز سیاست اور طرز حکومت کو پڑھ کر دنیا کے جغرافیے میں وہ خطے تلاش کرنے لگتے ہیں جہاں اس کی جھلک نظر آتی ہو مگر بدقسمتی سے دنیا کا کوئی مسلمان ملک اس کی جھلک پیش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ ایک عرصہ کے بعد افغانستان میں طالبان کی حکومت نے سادگی، قناعت اور جفاکشی کے ان سنہری اصولوں کو اپنی حکومت اور سیاست کی بنیاد بنا کر دنیا کو کتابوں میں پائے جانے والے خالص اسلام کا عملی نمونہ دکھانا شروع کیا تھا، اس دوران مجھے کابل، قندھار اور جلال آباد میں طالبان کی حکومت قائم ہونے کے بعد جانے کا اتفاق ہوا تھا، ان کا طرز بود و باش اور لوگوں کے ساتھ معاملات کا انداز دیکھا، سچی بات یہ ہے کہ کتابوں والے اسلام کا عملی نقشہ آنکھوں کے سامنے آ گیا تھا مگر بوجوہ اس کا تسلسل قائم نہ رہ سکا ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جب بیت المقدس کی چابیاں وصول کرنے کے لیے بذات خود تشریف لے گئے، اس وقت کیفیت یہ تھی کہ کپڑوں پر پیوند لگے ہوئے تھے، ان کا غلام اونٹ پر سوار تھا اور نکیل امیر المؤمنین کے ہاتھ میں تھی۔ اس وقت تاریخ نے ایک اور منظر بھی دیکھا تھا کہ عیسائی علماء ہاتھوں میں پرانی کتابیں اٹھائے ان میں سے بیت المقدس کے فاتح کی نشانیاں پڑھتے جاتے تھے اور ایک ایک نشانی کو حضرت عمرؓ میں دیکھتے جاتے تھے اور بالآخر سب کے سب پکار اٹھے تھے کہ بیت المقدس کی چابیاں اس کے حوالے کر دو، ہماری کتابوں کے مطابق بیت المقدس کا فاتح یہی ہے۔ آج پھر بیت المقدس فاتح کا منتظر ہے اور وہ فاتح اسی طرز کا کوئی درویش ہوگا جو دنیا کے پروٹوکول اور اسٹیج کے مصنوعی ضابطوں کو رد کرتا ہوا سادگی، قناعت اور جفاکشی کے ساتھ آگے بڑھے گا اور بیت المقدس پر ایک بار پھر اسلام کا ہلالی پرچم لہرائے گا۔